نقشِ آغاز:

مشاہیر (مکتوبات) بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ و مولانا سمیع الحق مدظلہ کی متعدد ضخیم جلدوں میں اشاعت

الحمدللہ مقام شکر و امتنان ہے کہ دارالعلوم حقانیہ جس کی بنیاد اخلاص وتقویٰ اور للّٰہیت پر رکھی گئی تھی اپنے تمام اغراض ومقاصد کے حصول میں نہ صرف کامیاب رہا ہے بلکہ روز بروز دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نصرت خداوندی کے طفیل حاصل کررہا ہے' اسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی مہتمم دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا وہ تاریخی اور منفرد کارنامہ ہے جس نے اردو ادب کی روایات میں ایک شاندار اور روشن باب کا اضافہ کردیا ہے۔ مکتوبات اور خطوط کی اشاعت تو روز اول سے اردو اور دیگر زبانوں میں ہوتی چلی آرہی ہے لیکن خطوط کی (چار ہزار سے زائد) کثیر تعداد ایک دو افراد کے نام جمع ہونا اور پھر اسے آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع کرانا یقیناً ایک بہت بڑا علمی' تحقیقی وادبی کارنامہ ہے۔ یہ خطوط کا مجموعہ تقریباً پون صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی کئی دہائیوں کی محنت شاقہ کا ثمر اور نتیجہ ہے۔ اس میں دارالعلوم حقانیہ کی مکمل تاریخ حضرت مولانا عبدالحقؒ کی سحر انگیز اور ہر دلعزیز شخصیت کے مختلف پہلوؤں مثلاً دارالعلوم دیوبند سے وابستگی' زمانہ تدریس' اساتذہ ومشائخ سے تعلق اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی ساری زندگی کی سیاسی' علمی' ادبی اور خصوصاً صحافتی زاویوں پر مکمل روشنی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں پاکستان وہندوستان اور خصوصاً جہاد افغانستان وعالم اسلام کی تمام معروف تحریکات پر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ خطوط کے ذریعے رہنمائی ملتی ہے۔ الغرض ان آٹھ جلدوں کے ذریعے سات سمندروں کا پانی ایک کوزے میں کشید کرکے بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں کتاب کی چند اہم خصوصیات اور نکات قارئین الحق کی دلچسپی کے لئے درج کئے جارہے ہیں۔

تقریباً پون صدی پر مشتمل اساطین علم وادب' علماء ومحدثین' مشائخ واکابرین امت' نامور اہل قلم شہسواران صحافت' دانشور ومصنفین' سیاسی زعماء حکمران وسلاطین کے مکتوبات نگارشات' تاثرات اور احساسات کا مجموعہ علمی' فقہی' مذہبی مسائل' ملکی تحریکات وبین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ اور عالم اسلام کو درپیش بحرانوں کے مدوجذر پر ارباب فکرودانش کے خیالات وافکار کا ایک بڑا ذخیرہ مولانا سمیع الحق کے قلم سے ادبی تعارفی حواشی اور توضیحات مشاہیر کے خطوط کے عکسی نمونے

☆ خطوط کی تعداد وشخصیات کے حوالے سے اردو ادب کی تاریخ میں پہلا قابل قدر گرانقدر اضافہ۔

☆ کسی ایک خاندان کی دو شخصیات کے نام پر اتنی کثیر شخصیات کے مکاتیب کا پہلا مجموعہ۔

☆ پون صدی کی علمی' تاریخی' ادبی' سماجی' سیاسی اور صحافتی شخصیات کے ہزاروں غیر مطبوعہ خطوط کی پہلی بار اشاعت

☆ ایک ایسی ریفرنس بک (حوالہ جاتی کتاب) جس سے سینکڑوں شخصیات کے سوانح مرتب ہو سکتے ہیں۔اور جس سے دینی' سیاسی' قومی اور ملی تحریکات کی جامع تاریخ بھی مرتب ہو سکتی ہے۔

☆ ہزاروں تعداد پر مشتمل نایاب ترین خطوط' جس میں اہم شخصیات کے تذکرے بھی ہیں' سوانح بھی' علمی مباحثے بھی ہیں اور ادبی شہ پارے بھی' تاریخ بھی ہے تنقید بھی۔

☆ جسمیں اہم سیاسی اور تاریخی واقعات کے رازوں کو آشکارا کیا گیا ہے جس سے ایک مؤرخ بآسانی ماضی کو دیکھ کر حال اور مستقبل کی تاریخ مرتب کرسکتا ہے۔ ہر شخصیت کی تصویر اسکے اپنے الفاظ و خیالات کے آئینے میں۔

☆ ہر مکتوب نگار پر مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے سحر انگیز اور شعلہ بار قلم سے معتدل' جامع اور تحقیقی تبصرے و حواشی۔

☆ حقانی فضلاء و حقانی برادری سے وابستہ جملہ افراد کے لئے ایک قیمتی تحفہ اور وانڈکس ہے۔

☆ جسمیں مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کی سلسلہ وار تاریخ' بانیین' مہتممین' منتظمین' معاونین کے تذکرے و تعارف۔

☆ قومی' ملی' سیاسی' سماجی' دینی' علمی' صحافتی اور جہادی میدانوں میں دارالعلوم حقانیہ اور اسکے فضلاء کا کردار اور کارنامے۔

☆ عالم کفر سے برسر پیکار حقانی فضلاء اور شہداء کے ایمان افروز حالات و واقعات۔

☆ عالم اسلام کے صدور و سلاطین اور اہم حکومتی شخصیات کا بانی دارالعلوم حقانیہ اور مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب سے اہم موضوعات پر تبادلہ خیال۔ اپنے موضوع اور مشمولات پر اپنی نوعیت کی پہلی منفرد کتاب۔

تمام آٹھ جلدوں کی مختصر تفصیل بھی یہاں پر قارئین کی سہولت کے پیش نظر درج کی جارہی ہے

نوٹ: مکتوب نگاروں کی ترتیب فرق مراتب کالحاظ کئے بغیر حروف تہجی الف باء تا کے مطابق رکھی گئی ہے۔

جلد اول: مکتوبات بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق" (صفحات ۷۰۴)

مکتوبات بنام مولانا سمیع الحق کی تفصیل

اکابر برصغیر پاک و ہند بشمول بنگلہ دیش کے خطوط (چار جلدوں پر مشتمل)

جلد دوم: اب پ ...... صفحات: (۵۱۶) **جلد سوم:** ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ز س...... صفحات (۵۶۸)

جلد چہارم: ش ص ض ط ظ ع .... صفحات (۶۵۸)

جلد پنجم: غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ی............ صفحات (۵۱۲)

جلد ششم: افغانستان (جہادی مشاہیر کے خطوط' جہادی رپورٹیں' شہداء' تحریک طالبان پر مشتمل تفصیلات گویا جہاد افغانستان اور جامعہ حقانیہ مستقل ایک جلد (صفحات تقریباً ۵۰۰)

جلد ہفتم: بیرونی ممالک ایران' عالم عرب' افریقہ' سنٹرل ایشیاء' فارایسٹ' امریکہ اور یورپی ممالک......(صفحات ۵۰۰ سے زائد)

جلد ہشتم: ضمیمہ جات' اضافات اور توضیحات پر مشتمل مستقل جلد

کتاب کا ضخیم مقدمہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ لکھا ہے۔ کتاب اور مقدمہ کے پیش نظر اسے بھی ادارتی صفحات میں شائع کیا جارہا ہے۔ جس سے اس عظیم کتاب کی مکمل ترتیب و تدوین اور اشاعت کی تاریخ قارئین الحق کے سامنے آشکارا ہو جائے گی۔

ازقلم: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

مشاہیر کتاب کا پیش لفظ

الحمد للّٰہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کی خاطرمی خواست   آخر آیلذ پس پردہ تقدیر پدید

خداوندِ علیم وخبیر نے پڑھنے پڑھانے اور خط وکتابت کی قوت انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے خمیراور بنیادی عناصر میں ڈال دی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام ہی مکتب علم ومعرفت کے پہلے ہونہار شاگرد تھے۔ جنہوں نے تمام علوم ومعارف کا اخذ براہ راست خالق ارض وسما' اور مبدأفیض ازل سے حاصل کیا اور پھر آدمؑ سے لے کر آج کے عہدِ جدید تک کرۂ ارض پرعلم اور قلم وقرطاس کی حکمرانی قائم ودائم ہے۔ آج اس جہان رنگ وبو کی تمام بوقلمونیاں اور رنگینیاں' قلم وقرطاس ہی کی مرہون منت ہیں۔ انسان جونطق کی خصوصی خلعت فاخرہ سے متمیز کیا گیا تھا اور اس کی ارتقاء و ابتدائے آفرینش میں یہی خصوصیت اس کی پہچان اور آن بان کا واحد ذریعہ تھی لیکن تغیر وجدت پسند فطرت نے اسے بولنے تک محدود نہ رکھا اور معاشرت میں زندہ رہنے' آگے بڑھنے اور عظیم مقاصد کے حصول کیلئے صرف بول چال ہی کافی نہ ہوسکی بلکہ خداوند کریم کی توحید کے پیغام کو دنیا بھر میں پھیلانے کیلئے بول چال سے بڑھ کر ایک اور مرئی ابلاغی قوت کی ضرورت محسوس ہوئی تو قدرت نے اس کے اندر کتابت کے ملکہ کے ذریعے اس کی چھپی ہوئی خداداد صلاحیتوں اور فکرو تخیل اور مافی الضمیر کے اظہار کیلئے آہستہ آہستہ اسے خط وکتابت کی طرف مائل کرادیا اور یوں انسان ''حیوانِ ناطق'' سے مزید نمو وترقی کرتا ہوا ''حیوان کاتب'' کا اعزاز پاتا ہوا اس زمین پر اللہ کی نائبیت کی اوج ثریا تک پہنچ گیا۔ آغاز وحی اقراء کے ساتھ علم بالقلم اسی شرف خلافت کی غماز ہے اور اس کے کاتب وحی ہونے کے امتیاز کو آشکارا کرتا ہے۔

انسان کے اس سفرِ علم وآگہی میں آسمانی کتابیں وصحائف قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتی رہیں اور یوں آب وگل کا ایک حقیر قطرہ اور جہل وبے علمی کا ذرہ صدف کمال (سیپی) میں رہنے کے بعد ایک ایسا موتی وگوہر نایاب بن گیا جس کی چمک دمک سے آج کرۂ ارض کا رُواں رُواں اور ذرہ ذرہ تجلی طور کا منظر پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح خط وکتابت کی اہمیت کا اندازہ رہبر انسانیت ﷺ کے ہاں بھی مسلم تھی اسی لئے تو آپ ﷺ نے دنیا بھر کے چیدہ چیدہ حکمرانوں کو توحید کی دعوت سے مہکے ہوئے اور رشد وہدایت کی روشنی سے منور مکتوبات لکھے اور اہتمام کے ساتھ بھجوائے۔ پھر انہی انقلابی خطوط اور تحریری دعوتی پیغامات قبول کرنے سے کرۂ ارض کی سوئی ہوئی تقدیریں کئی تو جاگیں اور کئی سلطنتیں ان مقدس خطوط کو ٹھکرا اور پھاڑ کر خود بھی ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ الغرض مکاتیب وخطوط کا دنیا بھر میں اثر ونفوذ عالمگیر اہمیت کا حامل ہے بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن اور معاشرت میں تو یہ ایک ایسا انمٹ نقش ہے جس پر پورے عالم اسلام کی دعوتی' تبلیغی'

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی اور سیاسی عمارت کا نقشہ استوار ہے۔ مکاتیب مسلمانوں کے ہر دور اور ہر زمانے کی تاریخ کا وہ روشن آئینہ ہے جس میں اکابرین وسلاطین کے ہر قسم کے کردار وسیرت آج ہمارے سامنے عیاں ہے۔ نواسہ رسول ﷺ حضرت امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کی شہادت کے دل فگار واقعہ شہادت میں بھی کوفے والوں کے خطوط کا بڑا عمل دخل رہا ہے، انہی فرضی خطوط نے عالم اسلام کی داستان کو خون ناحق سے رنگین کیا۔ اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے انقلابی مکاتیب نے بھی دعوت واصلاح کے میدان میں ایسے یادگار وزندہ جاوید نقوش چھوڑے جو بڑے بڑے فصیح وبلیغ واعظوں اور آتش نوا مقرروں کے وعظ وبیان سے بھی شاید نہ ہوسکتے۔

خطوط لکھنے کا رواج اور قرینہ دنیا بھر کی مہذب اقوام وملل میں ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت کا حامل رہا ہے۔ شروع شروع میں یہ محض بات چیت اور پیغام رسانی وکاروباری لین دین کا ایک موثر ذریعہ تھے۔ پھر بعد میں آہستہ آہستہ یہ مختلف الجہت علمی وادبی مقاصد کیلئے بھی لکھے جانے لگے اور انسان اپنے بے پایاں "غبار خاطر" کے اظہار کے لئے سینہ قرطاس پر قلم کے ذریعے رنگ بکھیرنے لگا اور یوں خلوت میں جلوت کے نئے دستور کا اضافہ ہوا۔ پھر خط کے بدولت ہی ہجر وصل میں تبدیل ہوا اور عالم بیکراں کے لامحدود فاصلے خط وکتابت کے ذریعے ایک ہی جست میں طے ہوگئے۔ فکر وتخیل کی پرواز لفافوں اور کاغذی پیراہنوں میں پرندوں کی مانند اڑنے لگے۔ شوخی تحریر قوس قزح میں ڈھلنے لگی اور دلی خیالات وجذبات اور ذہنی وفکری انقلابات وتصورات پردہ ذہن سے اُچھل اُچھل کر کتاب وکاغذ کی زینت بننے لگے اور عشق ومحبت کے سحر میں مبتلا مریضوں اور عقیدت میں جڑے ہوئے مریدوں کیلئے بھی نامہ وپیام کا ملنا نصف ملاقات بن گیا۔ اور عاشق نامراد کے دل صد پارہ کے ٹکڑے الفاظ وحروف میں ڈھل ڈھل کر معشوق کے دل مغرور میں شور قیامت بپا کرنے لگے۔ اور اسی طرح نظریات وعقائد "پیغامبر" کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگے۔ پھر خصوصاً شعروادب کی ترقی وتشہیر کیلئے تو خطوط کی صنف نے ایک ایسا لازوال کردار ادا کیا کہ بعض اوقات تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ صنف باقی تمام اصناف پر بازی لے گئی ہے۔ آج زبان اردو ہی کو لیجئے جو اپنی مختصر تاریخ کے پیراہن میں مکاتیب اور خطوط کا ایک ایسا ذخیرہ سنبھالے ہوئے ہے جسکا مقابلہ دنیا بھر کی قدیم زبانوں سے آج بڑے فخر کیساتھ کیا جاسکتا ہے۔ بزم اردو مرزا غالب، حالی، حضرت العلامہ شبلی نعمانیؒ، امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت العلامہ سید سلیمان ندویؒ اکبر الہ آبادیؒ حبیب الرحمن شیروانیؒ، مولوی عبدالحقؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ وغیرہ کے لازوال مکتوب نگاری سے جگمگا رہی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور احقر ناچیز سمیع الحق کے نام مکاتیب کا یہ پہلا ذخیرہ پون صدی سے زیادہ عرصہ کے علمی ادبی سیاسی روحانی شخصیات کے خطوط پر مشتمل ہے جس کا پیش نظر مجموعہ شیخ وقت محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا

عبدالحقؒ کے نام لکھے گئے خطوط پر مشتمل ہے اس کے بعد احقر کے نام مکتوبات ہیں جو حروف تہجی کی ترتیب سے کئی جلدوں میں مرتب ہوئے ہیں۔ ابھی شعور کا آغاز ہی تھا اور پورے طور پر علم وفن کے مبادی سے بھی ناواقف تھا عمر آٹھ نو سال کے لگ بھگ تھی حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کی روزانہ کی ذاتی ڈاک میں کتب کیساتھ ساتھ خطوط کی خاصی تعداد بھی ہوتی اور یہ خطوط میرے بچپن کے ذوق وشوق کا پہلے پہل سامان بن گئے بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ دوات کی سیاہی کی خوشبو قلم کی روانی کا نغمۂ صریر خامہ کا بانکپن اور رنگ برنگ لفافوں اور خطوط کی چمک دمک گویا میری گھٹی میں شامل ہوگئی تھی۔ اسی لئے میرے بچپن کے زمانے کے کھلونے غالباً پہلے پہل یہی قلم دوات، خطوط، رنگین کارڈ اور ٹکٹ رہے ہوں گے۔ راقم آٹھ نو برس ہی سے ان خطوط کو جمع کرنے کے شوق میں مبتلا ہوگیا اور وہ بھی بغیر کسی تحریک اور ایماء کے حالانکہ ابھی عقل و شعور میری عمر کے ننھے کارواں سے کوسوں دور تھا لیکن وجدان اور لاشعور کی غیر مرئی طاقتوں نے اسے اپنے لئے زندگی کا سب سے اہم مشغلہ بنالیا۔ حضرت والد ماجدؒ کے چار پائی کے سرہانے لگی ہوئی کتابوں سے بھری ہوئی الماری کے ایک کونہ میں لٹکا ہوا سبز رنگ کا مخملی تھیلہ میرے لئے جاذب نظر بنا رہتا۔ اس تھیلہ میں حضرت قدس سرہٗ اپنے اکابر اساتذۂ دیوبند اور اہم احباب اور دوستوں کے آئے ہوئے خطوط ڈالتے اور غالباً صرف تبرک اور تیمن کے طور پر یہ عام خطوط کی طرح ضائع ہونے کی چیز نہیں میرے شوق تجسس حضرت کی غیر موجودگی میں اسے ٹٹولنے پر مجبور کردیتا، ان خطوط کے لکھنے والوں کے دستخط مثلاً حسین احمدؒ، اعزاز علیؒ، مبارک علیؒ، محمد طیبؒ وغیرہ مجھے چمکتے ہوئے ہیروں اور نگینوں کے طرح محسوس ہوتے اور دل میں اتر جاتے۔ پھر ساتھ ہی تشویش لاحق ہوتی کہ حضرت کے اردگرد کتابوں رسائل ومجلات اور بکھرے ہوئے درسی افادات اور مخطوطات کے پلندوں میں یہ خطوط کہیں گم نہ ہوجائیں پھر اسی طرح حضرت والد ماجدؒ کی زندگی درس و تدریس اور سیاسی وملی خدمات میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ انہیں مستقبل میں سنبھالے رکھنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ ہر چند کہ حضرتؒ اپنے کاغذات وغیرہ میں نوعمر بچوں وغیرہ کی مداخلت پر ناراض ہوتے لیکن مجھے جب موقع ملتا ایسے خطوط کو چن چن کر اپنی ذاتی الماری میں محفوظ کرتا رہا۔ بچپن میں ڈاک کے ٹکٹوں، پرانے سکوں اور مختلف ڈیزائن کے ماچس جمع کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان خطوط کو جمع کرنے کا شوق عطا فرمایا۔ اور شاید اس طرح کاتب تقدیر نے میرے ذریعے ان جواہر نما مکاتیب اور تاریخی اثاثے کو اہتمام کے ساتھ محفوظ کرایا، تاکہ یہ خیر کثیر امت کے سامنے آکر "استفادہ اور رہنمائی" کے کام آسکے۔ حتیٰ کہ خطوط کے ساتھ ساتھ لفافے بھی جمع کرتا رہا۔ پھر جوں جوں عقل وشعور کی منزلیں سر کرنے لگا تو ان کی قدر واہمیت اور بھی سامنے آتی گئی۔ زیر ترتیب مجموعہ مکاتیب میں تقریباً پون صدی کے قریب حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ اور راقم کے نام آئے ہوئے اکثر وبیشتر خطوط جمع کردیئے گئے ہیں۔ ابتداء میں اور نہ کبھی بعد میں انہیں شائع کرنے کا خیال تک نہیں آیا۔ خطوط جمع کرتے کرتے والد ماجد قدس سرہٗ کے نام آئے ہوئے روزانہ آنے والے ڈاک کو ان کے پڑھنے اور جوابی کاروائی کرنے کے بعد کھنگالتا اور جانی پہچانی کسی بھی شخصیت کے خطوط الگ کرتا کہ

ان خطوط میں حضرت شیخ الحدیث سے تعلق' دارالعلوم حقانیہ کے مرحلہ بہ مرحلہ ادوار اور تاریخ سے کسی نہ کسی وابستگی کا اظہار ہوتا۔ پھر بعض مکتوب نگار عرف عام میں اجلہ مشاہیر نہ بھی ہوتے مگر حضرتؒ یا دارالعلوم کے خصوصی خدام معاونین اور حلقہ احباب کے حیثیت سے ان کا تذکرہ اور تاریخ مکتوبات کے حوالہ سے محفوظ رکھنے کے قابل تھے۔ مثلاً مولانا عبداللہ عرف باجوڑ استاذ حضرتؒ کے خادم خاص قدیم مسجد کے موذن بلالی شان اور صفات کے حامل تھے اس دور کے اکابر فضلاء حقانیہ کے سامنے انکی درد و سوز سے بھری ہوئی زندگی ایک مثال تھی۔ اسی طرح حاجی غلام حسین پوسٹ ماسٹر کی حضرت شیخؒ سے عشق و شیفتگی اور انکے درس و تدریس میں والہانہ شرکت اور دیگر امور زندگی میں والہانہ دلچسپی کے باعث ان کے تذکرہ کو بھی محفوظ رکھنا ان کے شایان شان تھا۔ حضرتؒ کے برادر نسبتی میرے ماموں صاحبان اور حضرتؒ کے ہم زلف میرے خالو صاحبان اور ننھیال اور ددھیال کے دیگر اکابر معروف معنی میں مشاہیر نہیں تھے مگر انکے خطوط میں حضرتؒ کے ساتھ عقیدت وخلوص اور عظمتوں کے اعتراف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؒ گھر سے باہر اپنوں اور غیروں میں نہیں بلکہ معاصرین اور عمر رسیدہ گھر کے افراد کے نظروں میں بھی ایسے ہی محترم و مکرم تھے جبکہ عموماً ایسی صورتحال نہیں پائی جاتی بلکہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے کے برعکس یہاں اندرون خانہ اہل و عیال کے دلوں میں بیرونی معتقدین سے بھی زیادہ عقیدت و محبت کا عالم تھا ان میں وہ جانباز و جانثار بنیادی اراکین دارالعلوم حقانیہ بھی شامل ہیں جنہوں نے شیخ الحدیث مرحوم کے تمام تعلیمی اداروں ''انجمن تعلیم القرآن'' ''مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن'' اور پھر دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس و تعمیر میں دن رات ایک کیا اور انہی کے اخلاص و تقویٰ اور تعاون پیہم کی بنیادوں پر علم و حکمت کا یہ شاندار محل دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں آج کھڑا ہے۔ چنانچہ مکاتیب کی شکل میں کسی نہ کسی مناسبت سے انکا ذکر بھی باقی رکھنا ضروری تھا۔

حضرت شیخؒ کے دارالعلوم دیوبند کے درس و تدریس اور بعد میں تعلیمی' تدریسی' سیاسی' روحانی ادوار پر ان خطوط کے حوالہ سے کافی روشنی پڑتی ہے (تقریباً ۱۹۳۰ کے بعد سنہ وفات ۱۹۸۸ء تک) مگر حضرتؒ کے نام آئے ہوئے پچاس ساٹھ سال کے خطوط' جو زمانہ کے حوادث سے محفوظ رہے پیش نظر جلد کی صورت میں شائع کئے جا رہے ہیں اس کے بعد احقر ناچیز کے نام اکابر و مشاہیر علم و ادب کے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جو ان شاء اللہ متعدد جلدوں میں آ رہا ہے۔

ے تاریخ واقعات شہاں نانوشتہ اند افسانہ کہ گفت نظیری کتاب شد

[بادشاہوں کے واقعات کی تاریخ تو ضبط تحریر میں نہ لائی جا سکی البتہ نظیری نے (واردات قلب) کا جو قصہ الم چھیڑا تو پوری کتاب ترتیب پا گئی]

اللہ تعالیٰ کا احقر گنہ گار پر یہ ایک عظیم احسان و کرم ہے کہ اس نے اپنے وقت کے اولیاء و مشائخ اساتذہ' زعما اور احباب کے دلوں میں مجھے جگہ عطا فرمائی اور ان کی محبوبیت سے نوازا۔ ان کی دعاؤں شفقتوں اور محبتوں سے خطوط کے ذریعہ بھی مالا مال ہوتا رہا۔ پھر ۱۹۶۵ء میں حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ ماہنامہ ''الحق'' کے نام سے اس وادی بے برگ و گیاہ میں ایک

علمی وادبی مجلہ جاری ہوا اس مجلہ کے پہلے ہی شمارے سے اللہ تعالیٰ نے علمی ادبی سیاسی اور ثقافتی آسمانوں کے درخشندہ ستاروں کو اس طرف متوجہ کیا اور ناچیز کے نام پیغامات اور محبت ناموں کا تانتا لگ گیا اور بحمد للہ چھیالیس سال سے یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ ان سب خطوط کو میں بڑے اہتمام سے الگ الگ فائلوں میں رکھتا اور فوٹو سٹیٹ نہ ہونے کی صورت میں اسے ضائع ہونے کے خطرے سے خود یا عزیز تلامذہ سے کاپیوں میں قلمبند کراتا رہتا' بعد میں کمپیوٹر کے ذریعہ اس کی کمپوزنگ کا آغاز ہوا' علمی استعداد کی کمی کی وجہ سے اکثر کمپوزر عربی' فارسی' پشتو خطوط کا حلیہ ہی بگاڑ دیتے' جس کی وجہ سے وہ سارا کام پھر سر نو شروع کرانا پڑا' پھر بعض خطوط پڑھے بھی نہ جاتے کیونکہ ستر' اسی برس پرانے وبوسیدہ خطوط سے موضوع نکالنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اسی طرح ہر مکتوب نگار کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ عبدالماجد دریا آبادیؒ کے آخری دور کے خطوط کا محدبی شیشے لگا کر بھی پڑھنا مشکل ہوتا۔ بعض مکتوب نگار اکابر علم وفضل علاقائی زبانوں کی وجہ سے اردو تحریر اور خطوط نویسی کے تکلفات اور تقاضوں سے نابلد بھی تھے جبکہ ان کے سامنے کسی ایسے خط کی اشاعت کا تصور بھی نہیں تھا' وہ بے تکلفی سے گلابی اردو یا پشتو یا عربی میں اپنا مافی الضمیر لکھ دیتے وہ تذکیر وتانیث اور رسوم تحریر کے بندھنوں سے بھی آزاد تھے' ان کے خطوط کسی طرح کے اصلاح وترمیم سے بے نیاز رکھے گئے کہ

ع آنچہ از دل خیز دبر دل ریزد ...... بہرحال کچھ برسوں سے کئی حضرات اس بات کی خواہش کرتے رہے کہ اس عظیم ''نسخہ ہائے وفا'' کو کیوں نہ شائع کر کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کیا جائے۔ دارالعلوم حقانیہ نے جہاں الحمد للہ اسلام اور علوم اسلامیہ وعصریہ کی ان پینسٹھ سالوں میں جو بے مثال خدمت کی ہے' اس کا ایک اور عظیم پہلو اور سرمایہ بھی امت کے سامنے لانا چاہیے تو اسی جذبے کی وجہ سے میں نے کئی دفعہ عزم کیا کہ اس پون برس کی علمی وتحقیقی ادبی عظیم روایات اور تہذیب وتمدن کے لازوال اثاثے کو ترتیب دے کر شائع کرنے کی سعادت حاصل کروں لیکن اپنی پے در پے سیاسی اور دارالعلوم کی تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں کی بدولت یہ جذبہ اور ارادہ ایک سراب ہی نظر آنے لگا۔ کئی دفعہ کمر ہمت باندھنے لگا لیکن قدرت کے مقرر کردہ نظام الاوقات کے فیصلوں کے مطابق اس پر عمل درآمد کی فوری صورت سامنے نظر نہ آسکی۔ **کل امرٍ مرھون باوقاتہ** ...... ہزاروں خطوط اور سینکڑوں بکھری ہوئی فائلوں سے بھرے ہوئے مکتوبات کے عظیم ذخیروں کو از سر نو ضبط وترتیب دینا کوہ ہمالیہ کو سر کرنے کے مترادف تھا۔ بہرحال اور بالآخر قدرت نے اس عاجز ونا تواں کو اس عظیم کام کی طرف یکسوئی کے ساتھ مائل کر ہی دیا اور یوں بکھرے سمندر کی موجوں کو کوزے میں سمیٹنے کا موقع مل گیا۔ اس دوران ہمیشہ دل میں یہ کھٹکا رہتا کہ کہیں کسی حادثے اور ناگہانی آفت کے نتیجے میں یہ عظیم ذخیرہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی۔ پچھلے سال 2010ء میں صوبہ سرحد میں خطرناک تباہ کن سیلاب میں جب پانی دارالعلوم کی حدود کے قریب پہنچنے لگا اور اطلاع تھی کہ پشاور میں ایک ڈیم بھی ٹوٹ گیا ہے' تو سب سے پہلے آدھی رات کو یہ سارا قیمتی اثاثہ اور کمپیوٹرز سمیت ایوان شریعت کی عظیم بلند بلڈنگ کی چھت پر پہنچایا گیا۔